

کتاب الطواسین کا ایک جائزہ

عتیق الرحمن عثمانی

حسین بن منصور المعروف بہ حلاج (م ۳۰۹ھ) تاریخ تصوف کی ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی عظمت ایک مسلمہ امر ہے۔ حلاج کو جو ابدی زندگی نصیب ہوئی ہے وہ اس کے کسی علمی کارنامہ کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ اسکی موت نے اس کو حیات جاویداں بخشی ہے۔ جس پر باکاہ انداز میں اس نے اپنے نظریہ اور مقصد کیلئے جان قربان کی، اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

حلاج نظریہ وحدۃ الوجود کا مبلغ و مؤید تھا جس کی اشاعت آگے چل کر ابن عربی نے کی۔ حلاج کے تمام رسالوں میں جن کو اس نے کتاب کا نام دیا ہے اس نظریہ کا گہرا نقش ملتا ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں حضرت پیر سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش نے حلاج کی حمایت میں قلم اٹھایا اور کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے حسین منصور کی محبت میرے دل میں بہت ہے اگرچہ وہ ایک حال پر قائم نہیں رہا۔ میں نے اس کے کلام کی شرح میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔

اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں روزیہان بقلی نے اس کے خیالات و نظریات کی شرح کی ہے۔ موجودہ دور میں فرانس کا مشہور عالم اور محقق لوئی ماسینیوں حلاج پر سب سے بڑی اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔

حلاج کی تصانیف کی تعداد بروایت ابن ندیم چھیالیس (۳۶) ہے۔ کشف المحجوب میں بھی داتا گنج بخش صاحب نے بھی کم و بیش یہی تعداد لکھی ہے اور طواسین کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام رسالوں میں طواسین کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکی۔ ہم قارئین کرام کی دلچسپی کیلئے طواسین کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔

طواسین ، طاسین کی جمع ہے اور طاسین ، ط اور س ، دو الگ الگ حروف ہیں جو قرآن شریف میں سورۃ نحل کے شروع میں طس کی صورت میں آئے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے بعض حروف جو مختلف سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں علماء ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ ان کے معنی خدا اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب کا ایک بھید ہوتا ہے اور قرآن کا بھید یہی حروف ہیں جو اس کے شروع میں آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ طاسین بھی بھید اور راز ہے اور طواسین بھی اسرار و رموز ہیں۔

کتاب الطواسین کے گیارہ باب ہیں ، چونکہ یہ کتاب ، توحید ، مقام رسالت ، مشیت ، ذات و صفات اور سلوک و معرفت کے اسرار و رموز سے بحث کرتی ہے اس لئے اس کا نام کتاب الطواسین رکھ دیا گیا۔ اس کتاب کا مرکزی خیال حقیقت محمدیہ اور مقام رسالت ہے ، خاص طور پر معراج کا واقعہ جس کا حلاج نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ ابواب جو اس میں قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ہیں :

(۱) طاسین السراج (۲) طاسین الفہم (۳) طاسین الصفاً

(۳) طاسین الدائرہ (۵) طاسین النقطہ (۶) طاسین الازل

(ک) طاسین المشیئة (۸) طاسین التوحید (۹) طاسین الاسرار فی التوحید

(۱۰) طاسین التنزیہ (۱۱) بستان المعرفة

(۱) طاسین السراج میں حلاج نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی عظمت و رفعت اور آپ کے پیغام کی صداقت و ہمہ گیری کا بھر پور انداز میں ذکر کیا ہے اور آپ کو ایک ایسے اعلیٰ و ارفع نور سے تشبیہ دی ہے جس کے سامنے تمام روشنیاں ماند ہیں۔ اس طاسین سے حلاج کسی اس محبت و عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ تھی۔ وہ کہتا ہے کہ ”کوئی بھی اس عالم میں ہو یا اس عالم کے علاوہ ہو یا اس کے ماورا ہو وہ آپ سے زیادہ خوش طبع، آپ سے زیادہ عظمت والا، آپ سے زیادہ شہرت والا، آپ سے زیادہ منصف و منہربان، آپ سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور رحم دل نہیں ہے۔ آپ صاحب معراج اکبر ہیں اور مخلوق کے سردار ہیں، آپ کا حکم اٹل اور آپ کی ذات غنی، آپ کی صفات بلند اور آپ کی ہمت منفرد ہے، تمام علوم آپ کے سمندر کا ایک قطرہ ہیں۔ تمام حکمتیں آپ کی نہر کا ایک چلو ہیں اور تمام زمانے آپ کے وقت کی ایک ساعت ہیں۔ آپ قرب میں سب سے پہلے اور نبوت میں سب سے بعد میں ہیں۔ ازروئے حقیقت آپ باطن ہیں ازروئے معرفت آپ ظاہر ہیں۔“

(۲) طاسین الفہم۔ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ حقیقت تک مخلوق کے فہم کی رسائی نہیں ہے۔ پھر حقیقۃ الحقیقۃ یا مقام محمدی ﷺ تک کسی انسان کی پہنچ کیسے ہو سکتی ہے، وہاں تک اگر کسی کی رسائی ہوئی ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ چنانچہ معراج کے واقعہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کے علاوہ وہاں

تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ، بلکہ اس مقام تک پہنچتے پہنچتے فنا ہو جاتا ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کرانے کیلئے پروانہ و چراغ سے تشبیہ دی ہے۔ علم الحقیقۃ چراغ کی روشنی ہے اور یہ پہلا مرتبہ ہے۔ چراغ کی حرارت یعنی حقیقۃ الحقیقۃ دوسرا مرتبہ ہے اور پروانہ کا چراغ کی حرارت میں فنا ہو جانا تیسرا مرتبہ ہے۔

(۳) طاسین الصفاء میں حلاج نے چالیس مقامات کا ذکر کیا ہے جن کو طے کر کے سالک اہل و صفاء و صفوت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے اور اسی ضمن میں یہ بھی بتلایا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام میں کیا فرق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم :۔ مقام نظر ، پر فائز ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام :۔ مقام خبر ، پر متمکن ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقام نظر ، مقام خبر سے بلند ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس دن گزارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غار حرا میں مراقبہ فرمایا۔ جب آپ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ کی عمر شریف چالیس کے قریب تھی۔ (حلاج نے اس موقع پر یہ نقطہ بھی بیان کیا ہے کہ جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک درخت سے آواز سنائی دی اسی طرح میرا معاملہ ہے ع وہ بول رہے ہیں میری آواز نہیں ہے)۔

(۴) طاسین الدائرہ۔ یہ کتاب کا چوتھا باب ہے اس میں تین دائروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دائرے سے غیب کا عالم مراد ہوتا ہے اور صوفیائے کرام کو کشف و شہود کے ذریعہ وہاں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ تین دائرے جن کا ذکر کیا گیا یہ ہیں :

(۱) پہلا دائرہ ، اس سے عالم ملک مراد ہے جسے عالم ناسوت اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا دائرہ ، اس کو عالم ملکوت سے تعبیر کیا ہے جسے عالم ارواح بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا دائرہ ، عالم جبروت ہے جسے حقیقت محمدیہ اور مرتبہ احدیت بھی کہا جاتا ہے۔

پہلے دائرے کے حقائق تک رسائی ممکن ہے۔ دوسرے دائرے تک صرف خواص پہنچ سکتے ہیں۔ تیسرا دائرہ یعنی مقام جبروت ، صفات الہی کی عظمت و جلال کا مقام ہے اس تک سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں پہنچا۔

(۵) طاسین النقطہ ، طاسین الدائرہ کے بعد نقطہ کے پھید کا اس لئے ذکر ضروری ہوا کہ دائرہ کا تصور بغیر نقطہ مرکز کے نہیں کیا جا سکتا ہے چنانچہ حلاج نے تین دائروں کی رعایت سے تین نقطوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک نقطہ عروج ہے جسے فوقانی نقطہ کہا ہے اس سے عالم ملکوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسرا نقطہ زوالی ہے جسے حلاج تحتانی نقطہ کہتا ہے اس سے عالم ناسوت (مادی دنیا) مراد ہے۔ تیسرا نقطہ مرتبہ احدیت اور حقیقت محمدیہ ہے جسے صوفیا کی اصطلاح میں مقام تحریر کہتے ہیں۔

حلاج کے نزدیک ان مقامات تک پہنچنا فنائے نفس کے بغیر ناممکن ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان چار پرندوں کی مثال دیکر فنائے ذات کی تعلیم دی گئی ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ میں موجود ہے۔

(۶) طاسین الازل والالتباس ، طواسین کا یہ باب نہایت اہم ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ذات محض و مطلق کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا ہے ابلیس اسی واسطے مردود ہوا ہے کہ

وہ مقام لاهوت سے گر پڑا ، اسی باب میں قرآن مجید کا وہ مکالمہ بھی ہے جو حق تعالیٰ شانہ اور ابلیس کے درمیان مختلف صورتوں میں آیا ہے۔ ابلیس اگرچہ زبردست مؤحد ہے اور غیر اللہ کو اس نے سجدہ نہیں کیا ہے تاہم انکار کی بنا پر حجاب میں جا پڑا ہے۔

اس کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام اطاعت میں رہے اور قرب خداوندی سے سرفراز ہوئے۔ حلاج نے وہ مکالمہ بھی دیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان کوہ طور کی گھاٹی پر پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا ، کیا تو اس (حق تعالیٰ کو) اب یاد کرتا ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ میرے لئے اب مقام فکر ہے مقام ذکر نہیں رہا ہے۔

ابلیس کہتا ہے کہ اگر وہ مجھے ہمیشہ کیلئے بھی جہنم کی آگ سے عذاب دے ، تب بھی میں غیر کے سامنے نہیں جھکوں گا ، کیونکہ میں اس کا مد مقابل نہیں جانتا ہوں اور اس دعوے میں بھی میں سچا ہوں۔ حلاج کہتا ہے کہ ابلیس زمین پر بھی داعی ہے اور آسمان پر بھی۔ آسمان میں وہ فرشتوں کو بلاتا ہے تاکہ اچھائیاں دکھائے اور زمین میں لوگوں کو بلاتا ہے تاکہ برائیاں بتلائے۔ ابلیس اپنے آپ کو سب سے زیادہ محرم راز سمجھتا ہے۔ اسی مقام ابلیس کی طرف علامہ اقبال کے اشعار میں جابجا حوالے ملتے ہیں۔

اس طاسین میں حلاج کی وہ شطحیات بھی ملتی ہیں جو فرعون اور ابلیس کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں پیش آتی ہیں اور مقام فتوت سے بحث کرتی ہیں یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ اسی مقام پر پہنچ کر حلاج کی زبان سے وہ کلمات جاری ہوئے جن کی بنا پر اس کو مرتد کہا گیا اور اس پر یہ الزام ہے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اسی

واسطے وہ قتل کا سزاوار ٹھہرا۔

حلاج کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے "اناالحق" کہا مگر طواسین کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس انداز سے بات کہی ہے اس سے خدائی کا دعویٰ نہیں ٹپکتا۔ طواسین باب ششم نمبر ۲۳ میں ہے: "اور میں کہتا ہوں تم نے اگر اس کو نہیں پہچانا تو اس کے اثر (نشان) کو پہچان لو اور میں وہ اثر ہوں اور میں حق ہوں (اناالحق)۔"

اس میں اثر (علامت - نشان حق تعالیٰ) ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور اس میں وہ برحق ہے۔ اسی طرح باب سوم، طاسین الصفا نمبر ۷ میں یہی ہے کہ میری مثال اس درخت کی سی ہے جو کوہ طور پر تھا، اس سے چو آواز آ رہی تھی وہ درخت کی آواز نہیں تھی، حق تعالیٰ کی آواز تھی، ایک درخت سے حق تعالیٰ کی تجلی منکشف ہو سکتی ہے تو ایک کامل انسان سے کیوں نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ دعویٰ ہے جو کتاب الطواسین میں کیا گیا ہے اور اسی پر ہنگامہ دار و رسن برپا ہوا ہے۔

بے بس اتنے پر ہوا ہنگامہ دار و رسن برپا

کہ لے آغوش میں آئی نہ کیوں مہر درخشاں کو

(۷) طاسین المشیئہ، اس باب میں مشیت خداوندی کا ذکر کیا گیا ہے کہ ابلیس کا پیدا کیا جانا بھی عین حکمت ہے اور یہی اس کی مشیت ہے۔ ان اسرار کو ہر کس و ناکس نہیں جان سکتا ہے۔ چنانچہ ابلیس کہتا ہے کہ اگر میں یہ جانتا کہ آدم کو سجدہ کرنا مجھے نجات دلا دے گا تو میں سجدہ کر لیتا لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس دائرے کے بیچھے بھی کئی اور دائرے ہیں یعنی امتحان اور ابتلا کے کئی مقامات ہیں جو بہت کم لوگوں پر واضح ہیں۔

(۸) طاسین التوحید۔ یہ مختصر سی طاسین ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ مقام توحید اتنا بلند ہے جسے الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری تمام تعبیرات اور توجیہات اس کے معنی کو واضح نہیں کر سکتی ہیں۔

(۹) طاسین الاسرار فی التوحید۔ یہ باب بھی سابقہ باب کی تفصیل ہے۔ توحید کا راز یہ ہے کہ جس کی توحید کی گئی ہو اسکی حد بندی نہیں کی جا سکتی یعنی وہ لامحدود ہے اور ایک محدود لامحدود کی تعریف نہیں کر سکتا۔

(۱۰) طاسین التنزیہ۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام چیزوں سے پاک، منزہ اور میرا ہے۔ اس کو کسی اسم، ضمیر، عدد، حد، تعریف و توصیف کے ذریعے نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ اس کی توحید کا ذکر بھی ہماری زبان و بیان کے بس کی بات نہیں ہے۔ تمام عزت اسی کیلئے ہے جو محض اپنی پاکیزگی کی وجہ سے معارف والوں کے طریقوں اور کشف و کرامات والوں کی سمجھ سے بری، بلند اور پاک ہے۔ تمام مخلوقات سرگرداں و پریشان ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں دونوں جہاں فنا ہو جاتے ہیں، حاجتیں دم توڑ دیتی ہیں اور علم و معرفت لاشے ہو جاتے ہیں۔

بستان المعرفة۔ بعض حضرات نے اس کو الگ رسالہ قرار دیا ہے اور کتاب الطواسین کا حصہ نہیں سمجھا لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کو بھی کتاب الطواسین کا گیارہواں باب تسلیم کیا جائے۔ معرفت کے بارے میں حلاج نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قابل صد تحسین و آفرین ہیں وہ کہتا ہے کہ :

»معرفت نہ صرف ان چیزوں ہی سے اوجھل ہے جو ہماری نظروں سے برے ہیں بلکہ وہ ہر چیز کی غایت اور منتہی سے بھی برے ہے، حتیٰ کہ

وہ ہمت کی حدود سے بھی پرے ہے ، بھیدوں کی دنیا سے بھی پرے ہے ،
خبر اور نظر کے عالم سے بھی پرے ہے اور ادراک کی کمند سے بھی پرے
ہے ۔“

”یہ وہ دنیا ہے جو سب شے کے ضمن میں آتی ہے جو شروع میں ہی
نہیں تھی جو بعد میں پیدا ہوئی اور وہ جو چیز ابتداء میں نہ
ہو اور بعد میں وجود میں آئے وہ اپنی ذات کے لئے مکان کی محتاج ہوتی
ہے۔ اس کے برعکس ایک ایسی ہستی جو ہمیشہ سے ہو اور جو اطراف
وجوانب اور اسباب و ذرائع سے پہلے ہو اس کو سمتیں اور طرفیں کیسے
گھیر سکتی ہیں اور حدود و نہایات کیسے چھو سکتی ہیں ۔“

”عجیب بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے
بدن پر کالا بال کیوں اور سفید بال کیوں اگتا ہے وہ کیسے دعویٰ کر سکتا
ہے کہ وہ تمام چیزوں کے خالق کو پہچانتا ہے ایک انسان جو مجمل اور
مفصل کو نہیں پہچانتا ، جو اول و آخر کو نہیں جانتا ، جو اسباب و علل
کو نہیں سمجھتا اور جو حقائق و لطائف پر نظر نہیں رکھتا اس کا
دعویٰ معرفت ایک ایسی ذات کیلئے جو دائمی اور ابدی ہے کیونکر درست
تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔“

”بس وہ ذات پاک ہے جس نے ان معرفت کے دعویٰ کرنے والوں کو
کہیں الفاظ و اسماء کے ، کہیں نقوش و رسوم اور عادات و علامات کے
پردے ڈال رکھے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے کہیں قال کے بھیس میں ،
کہیں حال کے لباس میں ، کہیں کمال کے پیرھن میں اور کہیں جمال
کے پردے میں اپنے حسن جہاں آرا کو چھپا رکھا ہے ۔“

یہ طواسین کا ایک سرسری جائزہ ہے ورنہ ارباب نظر کیلئے اس میں
بہت کچھ ہے ۔